عصر حاضر میں فکرِ اقبال کی تازہ معنویت

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان

علامہ محمد اقبال کے وہ افکار جن سے کفر زارِ ہند میں، برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک جہانِ تازہ، بنام پاکستان کی نمود ممکن ہوئی، کیا اب بھی اُن کی معنویت قائم ہے؟ ذیل کی تحریر میں اسی سوال کا جواب پانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱)

علامہ اقبال نے اپنے فرزند جاوید اقبال کے نام حیاتِ جاوداں کا جو نسخہ رقم کیا اُس میں ایک اہم بات یہ تھی:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر[۱]

علامہ اقبال کی نظم "جاوید اقبال کے نام"، کا یہ شعر، اپنی عمرِ طبعی کے آخری برسوں میں، عمومی سطح پر جوانانِ اسلام کے نام ایک پیغام ہی نہیں بلکہ ایک پر اُمید خواہش اور آرزو کا درجہ رکھتا ہے۔ اقبال نے اپنی عمرِ عزیز اسی مقصد کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اُنھوں نے ایک ایسی ہی خواہش کا اظہار اپنے ہم وطن ہندو قوم کے رہنماؤں سے بھی کیا تھا جو اتحادِ ہند کے آرزومند تو تھے مگر اس اتحادِ وطن کے دوسرے فریق، قوم مسلم، کا وجود تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے، اس لیے اتحاد کی ہر صورت سنتے ہی بگڑ جاتی تھی۔ اقبال نے "دم بہ دم با من و ہر لحظہ گریزاں از من" کی اس کیفیت کو اختلاطِ موجہ و ساحل سے تعبیر کیا اور اس کے مضمر اثرات سے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں[۲]

اقبال نظام فطرت کے عمیق مطالعہ سے ایک بات اچھی طرح جان چکا تھا کہ پختہ اتحاد اور اٹوٹ ہم آہنگی، فریقین کے انفرادی تشخص کی محکمی کے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے اُنھوں نے اسرارِ خودی کھولتے ہوئے برہمن سے مخاطب ہو کر کہا:

اے امانت دارِ تہذیب کہن
پشتِ پا بر مسلک آبا، مزن[۳]
از گلِ خود، آدمے تعمیر کن
بہرِ آدم عالمے تعمیر کن[۴]

اقبال نے برہمن سے آدم نو کے لیے جس عالم نو کی تخلیق و تعمیر اپنی خاک سے کرنے کی خاطر جس مسلکِ آباء پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی وہ "وحدت میں کثرت" پر برہمن کا ایمان۔۔پختہ زناری، تھی اسی لیے اُنھوں نے واشگاف الفاظ میں کہا:

من نگویم از بتاں بیزار شو
کافری، شائستۂ زنار شو[۵]

اقبال کا یہ انوکھا پیغام بتاتا ہے کہ ان پر اجتماعی زندگی کے اسرار، اس سے بہت پہلے غیر مبہم طور پر واضح ہو چکے تھے کہ ہر شے کا وجود اُس شے کے مقصدِ وجود سے وابستہ ہے اور یہی قانونِ فطرت، عالم انسانی میں انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا لازمہ ہے۔ یہ ایک اچھوتا خیال تھا اور بہت سے اقبال شناسوں کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اقبال یہ کیا کہہ گیا ہے:

گر ز جمعیت حیاتِ ملت است
کفر ہم سرمایۂ جمعیت است[۶]

اقبال جانتے تھے کہ کسی بھی خودی کی محکمی، مقصدِ وجود سے اُس کی پختگی سے مشروط ہے۔ (مسولینی کو اسی حوالے سے خراج پیش کیا تھا۔) لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ اہلِ ہنر کا کوئی ایک فریق بھی اپنی اجتماعی زندگی کے اصل الاصول پر قائم نہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے برہمن کو متنبہ کیا اور اپنی قوم کو بھی اصول مذہب یاد دلایا۔

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آزر من ز ابراہیمؑ دور[۷]

یہی وہ ''سرّ الاسرار'' ہے جس کے ہوتے ہوئے 'جہانِ تازہ' کی تعمیر کے لیے اتحاد کی کوئی محکم بنیاد، صورت پیدا نہ ہو رہی تھی۔ نہ اب پیدا ہو رہی ہے۔ کیونکہ حالات بدستور ہیں۔ وہ اختلاطِ موجہ و ساحل، جس سے اقبال کا جی گھبراتا تھا]اور آج ہر کسی کی پریشانی کا باعث ہے[۔ روح مذہب کے خلاف تھا۔ اُن کی نظر میں اس طریق عمل کی تعلیم نہ بتوں نے دی تھی نہ خدا نے یہ سبق سکھایا تھا مگر طبقات پسند [وحدت میں کثرت کا مبلغ] ہندو اور فرقہ پرست [توحیدی] مسلمان، اس بیماری میں ناقابلِ علاج حد تک مبتلا تھے (اور ہیں) اس لیے اقبال کو کہنا پڑا:

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا، واعظ کو بھی خدا نے[۸]

اسلامیانِ ہند ہوں کہ ہندو، اقبال کا ایمان تھا، دونوں اہل مذہب ہیں اور مذہب جوڑنے آیا ہے توڑنے نہیں آیا۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا[۹]

وادیٔ ایمن کے خیمۂ اجتماع سے حجاز کی اقامت الصلوٰۃ تک باہمی الفت کا یہ نکتہ روشن ہے۔ اقبال کے اسی تاریخی شعور نے ان سے بکمالِ اعتماد یہ اعلان کرایا تھا:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی[۱۰]

بدقسمتی سے تخلیقِ پاکستان کے بعد بھی یہ اچھی طرح جانتے ہوئے کہ اقبال مسلم کمیونٹی [ملتِ اسلامیہ] کو صدیوں کی چمن بندی کا پھل اور وحدت آفرینی کے حوالے سے برومندی کا نمونہ یقین کرتے تھے، انھیں ماورائے مذہب اتحاد کا داعی اور مغربی وطنیت کا مناد ہونے کا الزام دے دیا گیا۔ خصوصاً مصرعِ دوم ''ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا'' لوگوں کے اس کنفیوژن کا ہدف بنا اور بن رہا ہے۔ حالانکہ یہ تو ۱۸۵۷ء کی آریہ سماج تنظیم اور ۱۸۸۲ء کی گؤر کھشا سبھا کے اس مطالبے کا مدلل جواب تھا کہ...... مسلمان خود کو ہندو تہذیب میں جذب کر دیں یا واپس عربستان چلے جائیں۔

آل انڈیا نیشنل کانگرس کے قیام کا مقصدِ اولیٰ یہی انجذابی حکمت تھی جس کی محبت میں لوگوں نے میثاقِ مدینہ کی روح سے بھی کھلواڑ کی...... اقبال نے ہندی ترانہ کے اس نکتۂ خاص کو ترانۂ ملی میں مزید کھولا ہے:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا[۱]

مسلمان جہاں خوش ہے [دل ہو جہاں ہمارا] اور محفوظ ہو وہی اُس کا وطن ہے، وہ چین و عرب ہوں یا ہندوستان، نہ معلوم اقبال شناسی کے مدعیوں نے ان میں کیا تفاوت دیکھا۔ ہندی ترانہ اور ملی ترانہ کے تقابلی مطالعہ میں تو سوائے توضیحات کے، ایسا کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ کسی ایک کے حوالے سے اقبال کو مطعون کیا جا سکے۔ اگر ہندی ترانہ، میں کہا:

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا[۲]

تو یہی بات ترانۂ ملی میں یوں کہہ دی:

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا[۳]

اگر نظم آفتاب (ترجمہ گاتیری) کے شذرہ پر نظر ہو تو یہی توحید، "مسلک آباء" معلوم ہوگی۔ جس کے گیت نانک نے گائے۔ اور توحید، مذہب کی وہ قوت ہے جو باہمی تناقضات کو مٹا کر متحد کرتی ہے۔[۴] دراصل ایک ہونے اور متحد ہونے کا وہ لطیف فرق جو نہرو وانی ٹولے اور اقبال کی فکر کو آپس میں ممتاز کرتا ہے لفظ پرستوں کی نظر سے اوجھل رہا۔ قوتِ مذہب [توحید] باہم متناقض افراد کو باہمی معاونت سکھاتی ہے۔ نہ ایک کر کے فنا کرتی ہے، نہ مزاحمت آمادہ کرتی ہے۔ سردارانِ یثرب کی نفاق انگیزی سے آگاہ کرتے ہوئے۔ ربّ العالمین نے انصارؓ کو یہی قوتِ مذہب یاد دلائی تھی۔ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا[۵] نعمتِ خداوندی "توحید" کا مظہر مشہود اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ[۶] متصف جماعتِ صحابہؓ تھی۔ جب مذاہب بھی موحدانہ ہوں اور وطن بھی ایک، تو پھر باہم دشمنی کیسی؟ اقبال کی یہ دعوتِ اتحاد بھی اصلاً تعلیماتِ اسلام اور سنتِ رسولؐ کا مظہر تھی، قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ[۷] یہ اسلامی تصورِ اتحاد تھا۔ جسے قرآن میں ڈوب کر نکلنے والا اقبال ہی سمجھ سکتا تھا۔ یہ دو حرف لاالٰہ کی کرشمہ کاری تھی، لغت ہائے حجازی کا قارون، فقیہ شہر، اس سے ناواقف تھا اور ہے۔

اقبال نے اپنے اس تصورِ اتحاد کی شاعرانہ عکس بندی۔ دینِ فطرت کے داعیوں کی آگاہی کی خاطر، بانگِ درا کی پہلی نظم ہمالہ (۱۹۰۱ء) میں کر دی تھی۔ جسے بعض نام آور ماہرینِ اقبالیات نے

نظریۂ وطنیت کو ثقافتی بنیاد فراہم کرنے سے تعبیر کر کے ڈھیروں ثواب کمایا۔ مگر کسی حق شناس نے یہ داد بھی دی کہ "جس شاعری کی ابتدا ہمالہ سے ہو اُس کی انتہا کیا ہو گی، یقین جانئے اس کی انتہا جاوید نامہ کی محکماتِ قرآنی پر ہوئی۔ اسی جاوید نامہ [۱۹۳۲ء] میں اقبال نے اپنے محبوب وطن کو حورِ پاک زاد لکھا۔ جسے طوقِ غلامی سے نجات دلانے کی خاطر متحدہ قومیت کی تلاش میں رہا وہ متحدہ قومیت جو ہمالہ سے بھی بلند تھی کہ اس میں "گلشنِ ہند" کو سیر اب کرنے والی ہزاروں ندیوں کی حفاظت وخوش حالی کا راز مضمر تھا۔ ہمالہ کا سر بلند، فصیلِ ہند ہونا اس میں مضمر تھا کہ

(۱) اس کی گود، عناصرِ فطرت کی بازی گاہ ہے۔

(۲) خود زمیں پر ہے مگر پہنائے فلک اس کا وطن ہے۔

(۳) یہ اپنے خالق کی صفت اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ کا مظہر ہے [تیری عمرِ رفتہ کی ایک آن ہے عہدِ کہن][۱۸] فی الوقت ہمارا سروکار نکتۂ اول سے ہے۔

بانگ درا کی نظم "ہمالہ" میں اقبال کی چشمِ تصور نے ہر عنصر فطرت کو دوسرے عناصرِ فطرت کے وظیفۂ وجود کی ادائیگی میں باوصفِ اختلاف، باہم معاون دیکھا اور دیکھایا۔ ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اس کائنات کی کوئی شے بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا [۱۹] نہ یہ کھیل تماشا ہے نہ یہ کھیل کود میں بن گئی۔ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ [۲۰] یہاں اقبال کے روحانی مرشد مولانا جلال الدین رومی کا خراج پیش کرنا بے محل نہ ہو گا۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند[۲۱]

اور یہ بات بھی ہر کوئی جانتا ہے کہ تمام عناصرِ فطرت متضاد صفات رکھتے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی غیر مفید نہیں ہو گی کہ طبیعیات میں جسے شے کی خصوصیت کہا جاتا ہے نفسیات میں اس کا استشہاد، طبعی تقاضا یا خواہش کہلاتا ہے۔ الٰہیات میں وہی کسی شے کی تقدیر ہے۔ بے شمار عناصر، بے شمار خصوصیات، اس لیے تقدیراتِ حق بھی لاتعداد، لا انتہا ہیں اور نہ صرف مختلف بلکہ متضاد و متخالف مگر باہم معاون۔۔ رات، دن کے پیچھے لگی ہے، دن، رات کے پیچھے، مگر کوئی کسی پر چڑھ دوڑنے کی تاک میں نہیں۔۔ اقبال نے ہمالہ کی گودی میں خوش خوش عناصر فطرت اسی باہمی معاونت میں مصروف دیکھے:

چشمۂ دامن ترا آئینہ سیال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے

ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے
اے ہمالہ! کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے
ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیلِ بے زنجیر کی صورت میں اڑا جاتا ہے ابر
جنبشِ موجِ نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی[۲۲]

چشمۂ دامن، آئینہ سیال ہے تو ہوا رومال، وہی اٹھتے ہوئے بخارات کو اڑا کر ابر کی صورت دیتی ہے۔ خود ہی گھوڑا بن کر اسے ادھر اُدھر دوڑاتی ہے۔ برقِ سرِ کہسار جو خود ابر نے فراہم کی اس گھوڑے کے لیے چابک کا کام کرتی ہے۔ نسیم صبح ٹہنیوں کو جھلاتی ہے اور دستِ گلچیں کی جھٹک سے بے خبر ہر گل کی کلی نشۂ ہستی میں جھوم رہی ہے۔ اتحاد و یگانگت اور باہمی تعاون کی یہ فضا اس لیے قائم و دائم ہے کہ فطرت کا ہر عنصر، ہر مظہر اپنی تقدیر کا اسیر ہے۔- کیا عالمِ انسانی میں بھی ایسا ممکن ہے؟ اقبال نے اسی سوال کے جواب میں مذہب کے حقیقی مقصد اور لازمی تعلیم۔ وحدتِ آدمیت کی طرف توجہ دلائی۔

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے[۲۳]

چنانچہ اقبال فیلِ بے زنجیر، ابر کہسار سے توجہ ہٹا کر فرازِ کوہ سے آتی ندی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، جو آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے مگر اپنی اصل، اپنے منبع سے اُس کا رابطہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح ہمالہ بھی زمین پر ہوتے ہوئے پہنائے فلک کو وطن بنائے ہوئے ہے۔ اس آفاقیت پر نظر جاتی تو "پھر وطنیت کی طرف" کا ڈھول کیوں پٹتا۔ یہی آفاقیت وہ راز ہے جس نے ہمالہ کے سر پر برف کی ایسی دستارِ فضیلت باندھی جو کلاہِ مہر عالم تاب پر خندہ زن ہے۔ یہ ساری علامات بھرپور سیاسی پس منظر رکھتی ہیں۔ ان صفات ہی نے ہمالہ کو دیوارِ ہندوستان بنایا اور ہمالہ کو سرمدیت بخشی ہے۔ یہی صفات اہل ہند کو سیسہ پلائی دیوار اور ہند کی محافظ فصیل بنا سکتے۔ ندی فکر اقبال میں زندگی کا استعارہ ہے۔ جس کے عراقِ دلنشیں کو ندی کی طرح ہی کا مسافر خوب سمجھتا ہے۔ تہہ در تہہ معانی کی پرتیں کھولنے کا یہ وقت نہیں۔ اقبال نے اسی عراق دلنشیں کی سرشاری و سرمستی میں گردش ایام کو پیچھے کی طرف دوڑنے کی صدا دی۔

یوں طور سے حرا تک کا منظر تصور میں لانے کے ساتھ نظم ختم ہو جاتی ہے۔ اقبال اس زندگی کی جاودانی روانی کا راز "اصولِ مذہب" کی پابندی میں دیکھتے ہیں۔ جو عہد کہن کو عمر رفتہ کی اک آن بنا سکتی ہے۔ اتحادِ وطن کا یہ کائناتی نقش۔۔ علم الاقتصاد کے دیباچہ، مقالہ قومی زندگی، مقالہ ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر اور خطبۂ الٰہ آباد کے ابتدائیوں میں وقت کے ساتھ ساتھ [۱۹۰۳ء سے ۱۹۳۰ء تک] تازہ تر جلوہ سامانی کے ساتھ ظہور پاتا ہے۔

۱۔ طور، فراعنہ اور ان کے اہالی موالی ہامانوں اور قارونوں کے مصر سے، مظلوم و مقہور بنی اسرائیل مُّسْتَضْعَفُوْنَ [تیسرے درجے کے عوام] کی ہجرت کا حوالہ ہے۔ سینا کی وادی میں، اجتماعی عبادت کے لیے خیمہ اجتماع کا قیام، بارہ قبائل کی باہمی قبائلی نفرت کو الفت میں بدلنے کا ذریعہ بنایا۔ ہر خاص وعام کے واسطے مَنّ وسَلوٰی کے یکساں نزول [۲۴] کے بعد ریاست فلسطین دے کر ذاتی اقتدار و اختیار کا حق عطا کیا گیا وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ [۲۵] کا ازلی منصوبہ روبعمل آیا۔

۲۔ حرا سے طلوع ہونے والی صبح جاوداں نے بھی اہلِ مصر کی طرح مکہ کے مظلوموں کو بھی یثرب کی طرف ہجرت کی راہ دکھائی۔ یہاں بھی ریاست اسلام کا قیام بغیر جنگ یا حملہ آور ہوئے بغیر، اہلِ یثرب کی کامل رضامندی سے عمل میں آیا۔ میثاق مرتب ہوا جس نے ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا تصور ختم کر کے ریاست کو اہلِ ریاست کا باہمی معاہدہ بنا دیا۔ اس سوشل کنٹریکٹ نے عوام و خواص کو معاشرتی سماجی مساوات کے بندھن میں باندھ لیا تو مؤاخات نے معاشی مساوات اور بھائی چارے کا نظام قائم کیا۔ یہی اقامتِ الصلوٰۃ [الصلوٰۃ کا مصدر التصلیہ ہے اتصالِ باہمی] گویا سینا کا خیمہ اجتماع تھا جس کی مستقل تربیت کے لیے مسجد کے اندر روزانہ پانچ وقت کی حاضری کو عبادت کہہ کر نافذ کر دیا گیا۔ یہ دراصل خیمہ اجتماع کو تار تار کرنے والوں کے عمل سے بچنے کی سبیل تھی۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ [۲۶] طبقات بندی عجیب تھی شعوب قبائل کی جگہ علماء الناس، رؤسا الناس اور عوام الناس [۲۷] نتیجتاً پھر غیروں کے محکوم ہوئے، ملک تقسیم ہوا اور دربدر ہوئے۔

انقلابِ توحید کی اس یک رنگی نے جہاں حضور نبی کریم ﷺ کو مثیلِ موسیٰؑ قرار دیا اسی انقلاب کی آرزو نے اقبال کو وارثِ موسیٰ وہارون علیہما السلام ہونے کا احساس دلایا۔

در دل حق سِرِّ مکنونیم ما
وارثِ موسیٰ و ہارونیم ما [۲۸]

ہر دو میں حالات کی یکسانی کی وجہ سے خود کو وارثِ موسیٰؑ وہارونؑ کہا یا خود مسلمان ہونے کی وجہ سے کہ مکہ کے مسلمانوں کو بھی اُن ہی کا راستہ اپنانا پڑا تھا، دونوں باتیں درست ہیں۔ اقبال نے برطانوی اور ہندو سامراج کے تسلط سے مسلمانانِ ہند کی نجات کی خاطر اسی صبح و شام کا تصور باندھا اور تاریخ دہرانے کی ٹھانی۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو[۲۹]

نظم "ہمالہ" ایک ایسا مینو فسٹو تھا جس کی بارآوری کی کوششوں سے دیدۂ بینائے قوم، اقبال کبھی غافل نہ ہوا۔ یہ نہ میری قیاس آرائی ہے نہ مفروضہ۔ اقبال نے ۱۸۹۸ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیانی عرصہ میں ایک غزل میں کہا تھا۔

دیکھ اے ذوقِ تکلم! یاں کوئی موسیٰ نہیں
میری آنکھوں میں جو پھرتا ہے وہ نقشہ اور ہے[۳۰]

نظم ہمالہ ہی کے عرصۂ تخلیق میں اس تصور کو عالی نگاہی کہہ کر اپنے ہم صفیروں سے داد طلب ہوئے تھے۔

ہم صفیرو! تم مری عالی نگاہی دیکھنا
شاخِ نخلِ طور تاڑی آشیانے کے لیے[۳۱]

یہی وہ تصور تھا جس نے شیخ محمد اقبال کو حکیم الامت اور مصور پاکستان ہونے کا بے مثل اعزاز بخشا اور یہی وہ فکر تازہ ہے جس نے اپنے ہر مقابل سے اسے ممتاز کیا۔ اسی فکرِ تازہ کی روشنی میں برصغیر ہند کے مسلمانوں نے ایک جہانِ تازہ کو پاکستان کے نقشِ سبز کی صورت میں فرقِ جہاں پر ابھارنے میں کامیابی حاصل کی۔

(۲)

بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ مگر اقبال کے سچے خواب کی یہ تعبیر ادھوری تھی۔ اس کی نظر بنی اسرائیل کی فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ کی تباہ کاریوں پر بھی تھی جس نے خیمۂ اجتماع کی حقیقت پس پشت ڈال کر طبقاتیت کو راہ دی تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست[۳۲]

کا مناد بھی تھا۔ اُس نے جہانِ تازہ کو محض سنگ وخشت کے جہان تک رہنے نہ دیا تھا اور متنبہ کیا تھا۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا[۳۳]

یہ وہی افکارِ تازہ تھے جو صدیوں کی مشرکانہ اور ملحدانہ روایات کی تاریکیوں میں، میثاقِ مدینہ اور مواخات کی صورت میں چمکے تھے اور جن کی امین مسجد تھی۔ اقامت الصلوٰۃ کی روحانی تجلیات میں اجتماعی شان پیدا کرنے والی...... حضرات موسیٰ وہارون علیہما السلام کا خیمہٴ اجتماع—۔

برصغیر ہند کے روشن ضمیر، مسلمان، قائداعظم محمد علی جناح کی مومنانہ قیادت میں سنگ وخشت کا جہاں تخلیق کرنے میں تو کامیاب ہو گئے اور وہ بھی ارضِ فلسطین اور ریاستِ مدینہ کی طرح بغیر جنگ کیے۔ ایک قومِ مسلم کے لیے ریاستِ پاکستان تو حاصل کر لی گئی مگر کیا وہ میثاق، وہ خیمہٴ اجتماع [نظامِ الصلوٰۃ] بھی عمل میں آسکا جس کا تقاضا طور و حرا کے انقلابات کرتے تھے اور اقبال نے جس کی آرزو مندانہ امید جاوید اقبال کی وساطت سے ہر دور کی مسلمان نسلِ نو سے باندھی تھی؟ کیا وہ مواخات [زکوٰۃ و عشر سے العفو تک وسیع پذیر] عمل میں آئی؟ کیا عالمِ قرآنی کے محکمات کے لاثانی اصول الارض للہ[۳۴] کا نظام قائم ہو سکا جو اقامت الصلوٰۃ کا لازمہ تھا؟ کہ ساری زمین مسجد بنا دی گئی تھی۔ جہانِ تازہ محض سنگ وخشت کا جہان رہا افکارِ تازہ سے محروم و نامراد۔ وہی کچھ قائم رہا جو ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے اور بعد میں رائج تھا۔ اسی رویے کے باعث ریاستِ فلسطین غزہ کی قوم اَشدود کے تشدد اور فراعنہ مصر کے ہم قوم عمالقہ کے جالوت کے ظلم و ستم کا تختہٴ مشق بنی۔ ان مسائل سے نبیِ وقت کی زبانِ وحی ترجمان سے نامزد طالوت، عوامی اعتماد کی قوت سے ذریعہ نجات بنا، تبرکاتِ موسیٰ اور دولتِ سکینہ واپس لانے میں کامیاب ہوا مگر بپتسمہ [مہر اعتماد و تصدیق] کا حق چھن جانے پر برہم ہو کر نحنْ اَحَقُّ بِالْملکَ مِنہ[۳۵] کے مدعیوں کے ہاتھوں مصلوب ہوا تو اختیار و اقتدار کی ایسی ابلیسی جنگ چھڑی کہ الامان والحفیظ۔ مملکتِ خداداد دو ٹکڑے ہوئی اور بالآخر اہلِ نینوا کے ہاتھوں ملیامیٹ ہو گئی۔ لیگ آف نیشنز کے عالمی حقِ خود اختیاری کے قانون نے مکرر احیا دیا مگر اب تک معرضِ نزاع میں ہے۔ وجہ فرقانِ حمید قرآن مجید نے صاف صاف لفظوں میں یہ بتائی فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ[۳۶] ظالموں نے عطائے ریاست اور حصولِ اختیار و اقتدار کا مقصد ہی بدل ڈالا۔ نہ سماجی مساوات رہی نہ معاشی معاشرتی وحدت جو خیمہٴ اجتماع اور موٴاخات کا نتیجہ تھی۔ سوال یہ ہے کہ اقبال کے جہانِ تازہ۔ پاکستان کے ساتھ کیا ہوا؟ جو نہ صرف شریکِ سفر نہ تھے بلکہ متعدد حیلوں بہانوں سے مزاحم ہوئے۔ روشن ضمیروں کی

موت نے ان کو ملک کے مالک و مختار کا مدعی بنا دیا۔ ملک جس قوت و اخوتِ عوام کے بل پر حاصل ہوا تھا اُس کی جڑ کاٹ دی گئی۔ لات گیا منات آیا کہ دلفریب استعاروں سے کھلے عام شرک فی التوحید کے الزامات تک، اختیار کی وہی پرانی جنگ چھڑ گئی۔ مملکتِ خدا داد ایک مدت تک میثاق [آئین] سے محروم رہی اور میثاق مرتب ہوا تو بار بار کی معطلی منسوخی نے رشتۂ توحید و وحدت کو اس کو کمزور کر دیا کہ ریاست دو حصوں میں بٹ گئی۔ تاریخ نتائج کو اسباب میں ڈھونڈنا سکھاتی ہے۔ اسباب ایک سے ہوں تو نتائج مختلف نہیں ہو سکتے، نتائج ایک سے ہوں تو اسباب مختلف نہیں ہو سکتے۔ "تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے" کا یہی درست مفہوم ہے۔ تخلیقِ پاکستان کا مقصد ہی گم کر دیا گیا۔

مواخات کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر رہا مذہبی بنیادوں پر فرقہ فرقہ امت ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی تو اس سے قوم پرست، سیکولر اور سرکار کی دہلیز پر سر ہونے کے بیہودہ الزامات سے نوازا گیا۔ ناکامی کے بعد ملک میں امریکہ و روس کی سرد جنگ میں پوری طرح ملوث ہو کر سیاسی وحدت کو بھی دائیں بائیں کی تفریق سے دوچار کر دیا گیا۔ غضب تو یہ کہ یہ غیر ملکی غیر اسلامی تفریق بھی، بنامِ مذہب عمل میں آئی حالانکہ مذہب ایک جماعت ہے جس پر اللہ کا ہاتھ ہے ایک صراط مستقیم جو اس دائیں ہٹا یا بائیں طرف، نذرِ آتش ہوا شذ فی النار[۳۷] ایسے میں ایک بد قسمتی نتیجتاً ظاہر ہوئی مواخات کا نام لینے والے لائقِ گردن زدنی ٹھہرے حالانکہ صدیوں سے امام الہدیٰ کے منتظر ان کی منفرد صفت یقسم المال صحاحا بالسویة بین الناس[۳۸] پر غیر متزلزل ایمان بھی رکھتے ہیں۔ تقسیم دولت [انفاق فی سبیل اللہ پر مبنی نظام العفو] از روئے قرآن متقین (ہدایت یافتہ) مفلحین کی صفت اور اقامتِ الصلوٰۃ کا جزو لازم ہے۔ اقبال نے اسے نکتۂ شرع مبین لکھا ہے اور اس سے ہٹ کر نظامات کو شرع و آئینِ دگر نام دیا ہے:

۱۔ کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
۲۔ نکتۂ شرعِ مبین این است و بس[۳۹]

دوسری جگہ متنبہ کیا۔

آفریدی شرع و آئینِ دگر
اند کے با نورِ قرآنش نگر
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ
ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ[۴۰]

ترجمہ: شریعتِ مبیں [قرآن و سنت] کی خاص بات یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد کسی کا محتاج نہ رہے۔ تونے [آپ کی مرضی جسے بھی اس کا مخاطب سمجھیں۔] اپنا من گھڑت آئین و شریعت بنا رکھا ہے۔ اُسے ذرا نورِ قرآن کی روشنی میں دیکھ پرکھ جس نے مسلمان کو جاں بکف ہو کر ضرورت سے زیادہ سب کچھ دے دینے کا حکم دیا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اسلامی نظام مواخات [اَلعفو] کو لادین روس کا نشان بنا دیا گیا۔ اسی التباس نے ایسی ابلیسی جنگ چھیڑی کہ جنوں رہا نہ پیری رہی جو رہی سو بے خبری رہی۔ اسی "بے خبری" میں مملکتِ خداداد دولخت ہو گئی۔ خاکم بدہن تاریخ اگلے مرحلے کے انتظار میں ہے۔ سامان سب تیار ہے اسباب سب مکمل ہیں۔ عالمی طاقتوں کی سرد جنگ میں حصہ داری میں خوب خوب ہاتھ رنگے گئے۔ مگر جب گرمیاں بڑھیں تو جہاد و قتال کی ترغیب اپنے گلے پڑ گئی۔ امریکن بلاک، مُلّا کو افغانستان کے کوہ و دمن سے نکالنے میں کامیاب ہوا یا نہیں لیکن اقبال نے "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے ذریعے جو حقیقت فاش کی تھی۔ اس جنگ میں کھل کر سامنے آ گئی۔ مزدکیت کو فتنہ فردا کہتے کہتے، دجالی قوتیں اسلام اور مسلمانوں کے درپے ہو گئیں۔ مزدکیت ہانپ رہی ہے اور نظامِ اَلعفو، نرغے میں ہے۔ ورنہ دہشت گردی صرف عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کا مقدر کیوں؟

(۳)

ایک طرف یہ عالم بے بسی ہے اور دوسری طرف یہ ذہنی خلفشار کہ یا تو قومی زندگی کے اصل الاصول دو قومی نظریے کو مسلمانوں کو تقسیم کرنے کا الزام دیا جا رہا ہے [صاحبو! بھول گئے ہو، دو قومی نظریہ نے ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی خاندان کو بدر و اُحد میں آمنے سامنے لا کھڑا کیا تھا] یہ اس نادانی کے برعکس دانستہ سازش کے تحت اسی دو قومی نظریے کو نظریہ پاکستان، بنا ایک مسلم قوم کے وطن میں دوبارہ ابھارا جانے لگا۔ عقل جل نہ گئی ہو تو یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جو نظریہ ایک ملک کو بانٹنے کے کام آیا ہو وہ بانٹنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ نظریۂ پاکستان کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ آزاد مسلم ریاست جو تقسیم ہند سے پورا ہو گیا۔ دوسرا حصہ اسلام کا محفوظ اور مسلمانوں کا مضبوط ہونا تھا۔[۱۴] نظریۂ پاکستان قومی زندگی میں اجتہاد کے لیے انفرادی کوششوں کی بجائے اجتماعی کوششوں کی ضرورت کے اظہار سے محکمات قرآنی تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ دو قومی نظریے کا اصل تقاضا تھا۔ اس کی خاطر ۱۹۰۴ء سے ملک کے کسی قابلِ عمل نہج تک پہنچنے کا انتظار لگا تھا۔ "میثاق اور مواخات" ریاست اسلام کے بنیادی

ستون ہیں ریاستِ مدینہ کو انھیں ہتھیاروں سے لیس کر کے حقوق و فرائض میں مساوات [ترسیل][۴۲] قائم کرنے ہی سے پیغمبر آخرؐ، اہل مدینہ کے باقاعدہ منتخب حکمران محمد رسول اللہؐ، المزمل کہلائے۔

کاش ہم جان سکیں کہ اسلامی معاشرے کا امن و سکوں اسی تزمیل میں مضمر ہے۔ جو اطاعتِ الٰہی اور ضبطِ نفس کے ذریعے ہر طرح کی ہوا و ہوس سے دست بردار ہوئے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔ یہ اَنَا خَیْرٌ منه اور نَحن اَحق بالملک منه[۴۳] کے فریبِ نفس و تلبیسِ ابلیس سے پاک فقط الٰہ العالمین کی بندگی کو شعار کرنے سے وابستہ ہے اور اِنَّ المحِبَّ لِمنَ یُحِبَّ مِطیع۔ عاشق محبوب کا بلا وچون و چرا مطیع ہوتا ہے۔ لہٰذا سنگ و خشت کے جہان تازہ پاکستان میں افکار تازہ کی روح دوڑانا وقت کا تقاضا ہے۔ قرآن حکیم نے حالت امن یا خوف، استنباط مسائل [اجتہاد یا شرعی قانون سازی] کا ایک ہی طریقہ بتایا ہے:

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ[۴۴]

کسی بے مقصد بحث میں پڑے بغیر تسلیم کر لیجیے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت "اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ"[۴۵] کے منصب پر خود الرسول مامور تھے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کا مقصد اولی الامر منھم کی حقیقت معلوم کیے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ۔ قرآن حکیم کی نادر اصطلاح ہے۔ جو دوسری اصطلاحوں، خلیفہ اور ملک سے بالکل جدا اور الرسول آخرؐ کے لیے خاص ہے۔[۴۶] بحیثیت رسول آپؐ وحی کے پابند ہیں مگر بحیثیت اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ، مشاورت عامہ کے مکلف (وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ)[۴۷] اسی پر عمل آپ کی سنت متواترہ ہے جو مسلمانوں کے لیے بطور اصل الاصول مقرر کر دی گئی۔ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ[۴۸] بحیثیت اولی الامر منھم کی نبی اکرم کا فرمان ناقابل تردید اور ہر طرح واجب الاذیمان ہے[۴۹] اور آپ نے فرمایا: اذا امر تکم بشیءٍ من رای واعلمو انا بشر[۵۰] متعدد مثالیں سیرت کی زینت ہیں کہ حضور اکرمؐ نے اپنی ذاتی رائے پر عوامی رائے کو فوقت دی۔[۵۱] کیا حضورؐ سے بڑھ کر بھی کوئی اہل علم ہے؟ آیت کریمہ مذکورہ بالا میں لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ، اولی الامر منکم کو مکلف کرتی ہے کہ مسئلہ استنباط کے لیے ان لوگوں کے علم میں لایا جائے جو اس کے اہل ہیں۔ اب اس اہلیت کو اہل الرائے اور بادی الرائے کی تفریق کے روایتی جھمیلے میں نہ ڈالا جانا چاہیے۔ قوم نوح کے بڑوں کی اس تفریق کا فیصلہ ہو چکا ہے اور حضرت نوح کی زبانی وضاحت کر دی گئی ہے۔ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ یہ لوگ جو تمھاری نظروں میں حقیر ہیں [جنھیں تم بادی الرائے (بے عقل) کہتے ہو] میں ایسا نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انھیں خیر سے نہیں نوازے گا [خیر، اختیار کے بغیر نہیں][۵۲] اللہ ان کی نفسی

صلاحیتوں سے خوب واقف ہے۔ میں ایسا کہہ دوں تو تمھاری طرح ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔ بات یہ ہے کہ مشاورت، مفاعلت کا صیغہ ہے جس میں مشورہ دینے والا اور مشورہ طلب کرنے والا دونوں صورتوں میں مساوی ہو تا ہے۔ ہر فریق مشورہ دے بھی سکتا ہے مشورہ طلب بھی کر سکتا ہے۔ الرسول کو بحیثیت اولی الامر منھم، مشاورت عامہ کا مکلف کیا گیا اس لیے مشیر بھی منصب اولی پر فائز ہو گئے اور اوپر عرض کی گئی کہ اولی الامر منکم قرآن حکیم کی نادر اصطلاح ہے۔ آسمانی بادشاہتوں [خلافت و ملوکیت] سے خاص ہے اور وجہ حضور اکرمؐ کا اہل مدینہ کا عبد اللہ ابن ابی کے مقابلے میں [جس کے لیے شاہی تاج بھی تیار ہو چکا تھا] کامل صوابدید سے منتخب ہونا ہے۔ اس کے خلاف سوچنا بڑی قباحتوں کا باعث ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ مراد یہ کہ اولی الامر منھم ر منکم کا منتخب و معتمد عوام ہونا لازمی ہے۔ استنباط مسائل منتخب حکمران کی نگرانی میں منتخب و معتمد عوام مجلس شوریٰ کا حق ہے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۰۴ء میں اجتماعی اجتہاد کی بات کی، آج ہر طرف سے اس کی تائید ہونے لگی ہے۔ لیکن اپنے خطبات میں الاجتہاد فی الاسلام، لکھتے وقت اجتماعی اجتہاد کا یہ کام مسلمانوں کی منتخب پارلیمنٹ کے سپرد کرنے کی تجویز دی۔ سچ تو یہی ہے کہ ایک الگ مسلم ریاست کا تصور اسی حوالے سے پیدا ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں اس حوالے سے صرف اتنا کہا "لیکن ملک ابھی کسی قابل عمل نتیجہ تک نہیں پہنچا" خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں برٹش ایمپائر سے باہر یا اندر ایک مسلم ریاست کی تجویز دی اور ری کنسٹرکشن آف ریلجس تھاٹ ان اسلام میں ایک مطلقاً آزاد پارلیمنٹ کی ضرورت نے، پاکستان کی تخلیق کی راہ کھولی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ صدیوں کی فرقہ آرائی سے نجات، برسوں سے ملک کو اسلامی قانون سازی کے عمل سے محروم رکھنے کی بدبختی کے تدارک کے لیے اجتہاد بذریعہ پارلیمنٹ کو رواج دیا جائے۔ کیا رومن لاء کے تحت قوانین سازی کرنے والے اراکین پارلیمنٹ رومن لاء کے ماہرین ہوتے ہیں؟ جس طرح یہ قانون سازی ہو رہی ہے اسی طرح شرعی قانون سازی ہونے دی جائے یہی وقت کا تقاضا ہے۔ یہی فرقان حمید کا بتایا ہوا طریقہ اور یہی سنت نبویؐ ہے۔ اسی طرح خلافت علی منہاج نبوت کا قیام ممکن ہے۔ کیونکہ "خلافت اسلامیہ کا انتخابی عمل کے بغیر تصور ہی نہیں۔ ان موضوعات پر میری کتاب اسلامی حکمت و حکومت کا محتاط مطالعہ کیا جائے۔ آخری بات یہ کہ صحابہؓ کو جہاں مشاورت کا حق دیا گیا تھا وہاں متنبہ بھی کیا گیا تھا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ [۵۳] چنانچہ حضورؐ جب کبھی کوئی فیصلہ یا رائے دیتے صحابہؓ پوچھتے تھے کیا یہ وحی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہوتا تو سر تسلیم خم ہو جاتا۔ ورنہ مشوہ دیا جاتا۔ اُحد کے موقع پر ایسی ہی مشاوت عامہ

کے خلاف بزعم خود اہل الرائے اور قائد حزب اختلاف عبد اللہ بن ابی اور ان کے قریبی ساتھی معتب ابن قشیر نے نفاق انگیز تحریک چلائی درد تھا اطاعھم وعصانی، مگر واویلا یہ تھا ''یہ تباہی عوامی ایوانوں پر فیصلوں کا نتیجہ ہے۔ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا[54] وحی کا سلسلہ جاری تھا جواب ملا قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ[55] یہ اندر کی خواہش چھپا رہے ہیں۔ کہہ دیجیے لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ[56] اگر دفاعی جنگ کا مشورہ جو یہ دے رہے تھے تسلیم ہو جاتا تو جس نے قتل ہونا تھا وہ اپنی قتل گاہ تک ضرور جاتا۔ [ایسی صورت میں مدینہ مہاجرینؓ سے کم از کم خالی ہو جاتا اور یہی ان ہوس پروروں کی پہلی اور آخری خواہش ہے] شاہی تاج سے محرومی اقتدار پر قابض ہونے پر اکساتی تھی۔ اسی نے اُسے رئیس المنافقین کے لقب سے ملقب کیا۔ وطن عزیز کی تاریخ اس حوالے سے عبرت ناک ہے۔ اس سے باز آنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس تاریخ کے پیچھے قابض اقتدار ہونے کی خواہش ہی رہی ہے۔ جس کی بنیاد خلافت آدم کے وقت ابلیس نے انا خیر منہ کہہ کر رکھی۔ استاد الملکوت کو التباس ہوا۔ یاد رہے اس نسلی برتری کے ساتھ اس کا علمی مرتبہ بھی شامل تھا کہ اسے لوح محفوظ تک رسائی حاصل تھی اس نے مردود قرار دیئے جانے پر کوئی معذرت نہیں کی بلکہ اکڑ کر بولا فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ[57] دیکھ لیجیے یہ کاروبار اغواصراط مستقیم پر ہو رہا ہے۔ اس کی پشت پر ''انا خیر منہ'' کا دعویٰ ہے جسے قرآن نے التباس[58] قرار دیا ہے۔ اسی التباس کا شکار فلسطین کے وہ لادی بھی ہوئے جنھوں نے کہا نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ[59] اسی التباس میں عبد اللہ ابن ابی اصحاب رسولؐ کو مبتلا کرنا چاہتا تھا اس کا ساتھی مشہور یہودی عالم معتب بن قشیر تھا۔ یہی تلبیس ابلیس مختلف حیلے بہانوں اور دعوؤں سے اجتماعی اجتہاد بذریعہ پارلیمنٹ کے خلاف کبھی لات منات کے استعارے ترشوا کر اور کبھی شرک فی التوحید کے نغمے سکھاتی ہے۔ قرآن و سنت ہے جس کی پیروی نہ ہونے کے باعث وطن عزیز افراتفری کا شکار اور معاشرتی امن و سکون سے محروم ہے۔ یاد رہے امن و سکون اپنی اجتماعی تقدیر، ہاتھ میں آئے بغیر کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ انسانوں کی اجتماعی تقدیر صرف اور صرف وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[60] ہے اور ھُمْ کے مشار الیہ ساری اُمت ہے۔ یہاں تک کہ تاج شاہی کے طلبگار منافقین اور بوجوہ احد کی گھاٹی سے اترنے والے فدائین رسول ﷺ کو بھی تاحکم ثانی جگہ نہ چھوڑنے کی حکم عدولی کے باوجود مشاورت عامہ کے حق سے محروم نہیں کیا گیا۔ ریاست اسلامی تاحکم ثانی مدینہ طیبہ کے اولین

اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ ہی کی زبان وحی ترجمان سے ''وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ'' نے اجتماعی زندگی کا اصل الاصول قرار پایا ہے۔

اَمْرُھُمْ: مسلمانوں کے امور [معاملات] خصوصاً بنیادی معاملہ تشکیل حکومت شُوْرٰی بَیْنَھُمْ:

مسلمانوں کے باہمی مشورے سے اسی طرح منتخب حکمران اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ

صدر امریکہ ابراھم لنکن نے جمہوریت کی جو تعریف کی ہے اسے اس تجزیہ کی روشنی میں پرکھیے:

عوام کی حکومت

عوام کے ذریعے

عوام میں سے

اسے شرک فی التوحید کہنا اور لات منات کے استعاروں کا لباس پہنانا۔ بقول اقبال اپنی شریعت گھڑنا نہیں تو اور کیا ہے۔ ''آفریدی شرع و آئین دگر''

مسلمانوں کو امن و سکون اس تقدیر پر عمل پیرا ہوئے بغیر نہیں مل سکے گا۔ ایک مثال پر اپنی گزارشات ختم کرتا ہوں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

ماہرین طبیعات اب تک یہی ثابت کر سکے ہیں کہ ''مائعات اپنی سطح ہموار رکھتے ہیں'' یہی پانی کے خطرات کی اجتماعی تقدیر ہے۔ جب سطح ہموار نہیں ہوتی تو آپا دھاپی مچ جاتی ہے اس سے ٹکرایا اسے بہایا۔ یہ طغیان اس وقت تک رہتا ہے جب تک پانی کسی ہموار جگہ پر نہیں پہنچ جاتا اور اس کی سطح ہموار نہیں ہو جاتی۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں [اور اُن کی وساطت سے تمام اہل جہان] کی اجتماعی تقدیر، اَمْرُھُمْ '' مقرر کی ہے درج بالا تصریحات کی رو سے یہی رسول آخرؐ کی سنت بھی ہے۔ اسی کا محکمی سے نفاذ و رواج نفاذ شریعت کی بنیاد ہے اور اسی کو اجتہاد کا حق دینا محکمات قرآنی کے رواج کا ذریعہ بنے گا جو اللہ، رسولؐ، اور مجدد ملت علامہ اقبال کے نزدیک اجتماعی زندگی میں سکینہ لا کر جاودانی عطا کر سکتا ہے اور یہی خلافت علی منہاج نبوت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

❀...❀...❀

حوالہ جات و حواشی

۱ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، [بالِ جبریل] ص ۱۴۷، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

۲ ایضاً، [بانگ درا]، ص ۱۲۷، ایضاً۔

۳ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، [اسرارِ خودی]، ص ۵۹، ایضاً۔

۴ کرشن پرشاد شاد، اقبال بنام شاد، ص ۸۴، ۸۳۔ نیز کلیات اقبال فارسی، ص ۹۴ بہ ترمیم مصرعۂ دوم، آدمے راعالمے تعمیر کن۔

۵ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، [اسرارِ خودی]، ص ۵۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

۶ ایضاً۔

۷ ایضاً۔

۸ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، [بانگِ درا]، ص ۸۸، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

۹ ایضاً، ص ۸۳

۱۰ ایضاً، [ضربِ کلیم]، ص ۱۷۸

۱۱ ایضاً، [بانگِ درا]، ص ۱۵۹

۱۲ ایضاً، ص ۸۳

۱۳ ایضاً، ص ۱۵۹

۱۴ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، ص ۶۷ مکتوب بنام مولانا گرامی۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۱۸، اقبال اکادمی لاہور، ۲۰۰۰ء

۱۵ سورۃ آل عمران، ۳: ۱۰۳۔

۱۶ سورۃ الفتح، ۴۸: ۲۹۔

۱۷ سورۃ آل عمران، ۳: ۶۴۔

۱۸ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، [بانگِ درا]، ص ۲۲۔

۱۹ سورۃ آل عمران، ۳: ۹۶

۲۰ سورۃ الدخان، ۴۴: ۳۸

۲۱ مولانا روم، مثنوی معنوی، ص ۴۰ [عتاب کردہ آتش را آن پادشاہ جھود] بہ تصحیح آر اے نکلسن۔ انتشاراتِ ھرمس، تہران۔

۲۲ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو [بانگِ درا]، ص ۲۲، ۲۱

۲۳ ایضاً

۲۴ البقرۃ، ۲: ۵۷۔

۲۵ ایضاً: ۱۳۷۔

۲۶ ایضاً:۵۹۔

۲۷ ایضاً:۲۴۷ (۱)اَنّٰی یکون لہٗ (ای طالوت ای شخص) الملک علینا (۲)و نحن احق بالملک منہ (۳)ولم یوت سعۃ من المال۔

۲۸ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی[اسرارِ خودی]،ص۷۵

۲۹ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو[بانگِ درا]،ص۲۳

۳۰ ڈاکٹر گیان چند،ابتدائی کلام اقبال ،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۲۰۰۴ء، ص۶۹،۱۲۱۔

۳۱ ایضاً

۳۲ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو[ارمغانِ حجاز]،ص۶۹۱

۳۳ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو[ضربِ کلیم]،ص۵۶۲

۳۴ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی[جاوید نامہ]،ص۶۶

۳۵ سورۃ البقرۃ،۲:۲۴۷۔

۳۶ ایضاً:۵۹

۳۷ مستدرک حاکم [کتاب العلم]حدیث۳۹۱ /ترمذی باب ماجآء فی لزوم الجماعۃ،حدیث نمبر۲۱۶۷۔

۳۸ مجموعہ ہائے حدیث کتاب الفتن، خصوصاً مشکوٰۃ المصابیح۔

۳۹ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی[پس چہ باید کرد---]،ص۸۲۸۔

۴۰ ایضا،[جاوید نامہ]،ص۶۶۹۔

۴۱ مقالاتِ اقبال،ص۲۶۷

۴۲ اونٹ کے دو کجاووں کو برابر کرنا تزمیل کہلاتا ہے۔

۴۳ سورۃ الاعراف،۷: ۱۲؛سورۃ البقرۃ،۲:۲۴۷

۴۴ سورۃ النساء،۴:۸۰

۴۵ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (سورۃ النساء،۴:۵۹)

۴۶ دیکھیے حاشیہ:۴۳،۴۶

۴۷ آدم کو خلیفہ کہا گیا طالوت کو مامور من اللہ (منصوص) ہونے کے باوجود ملک کہا گیا۔ داؤد علیہم السلام کو پھر خلیفہ کہا گیا۔ مگر حضرت محمدؐ کو اولی الامر منھم / منکم کہا گیا۔ اور آپؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا گیا۔ مسلمانوں پر واجب ہے اللہ کی اطاعت اور اس اولی الامر منکم کی اطاعت جو الرسول ہے۔ فان کی فائے تفریع اس طرف توجہ دلا رہی ہے کہ یہ تین نہیں دو مفرض الطاعت شخصیات پہلی واؤ تسویہ دوسری واؤ تفسیر ہے لہذا وہ اولی الامر منکم جو از روئے قرآن، مفرض الطاعت ہے الرسول ہے۔ تفصیل کے لیے میری کتاب اسلامی حکمت و حکومت، مطبوعہ ادارہ قرطاس فیصل آباد کا مطالعہ کیجیے۔

۴۸ سورۃ آل عمران، ۳: ۱۵۹۔

۴۹ سورۃ الشوریٰ، ۴۲: ۳۸

۵۰ بالا آیت کریمہ اولی الامر منکم کی اطاعت کو بھی غیر مشروط طور پر واجب قرار دیتی ہے اس لیے کہ یہ جملہ شرطیہ نہیں کہ اگر مگر بشرطیکہ کی گنجائش پیدا کی جاسکے۔ یہ وجوب سنت ہے کا ثبوت۔

۵۱ مشکوٰۃ المصابیح،باب کتاب الاعتصام بالسنۃ۔

۵۲ میدانِ بدر میں عساکرِ اسلامی کا ڈیرہ ڈالنا ہو یا اُحد میں گھروں میں بیٹھ کر دفاعی جنگ کرنے یا باہر نکل کر جنگ آزما ہونے کا یہ سب متعلقاتِ دین ہیں، جن میں حضورؐ نے عوامی رائے کو قبول فرمایا۔

۵۳ سورۃ ہود، ۱۱:۳۱

۵۴ خیر و شر میں تمیز اختیار کیے بغیر ممکن نہیں الدّین انسانوں کو اسی اختیار محمود کے ساتھ خیر بالذات کاموں کی طرف چلاتا ہے (نورالانوار شرح المنار، ص ٦، ملاجیون شیخ احمد، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ)

۵۵ سورۃ الحجرات، ۴۹:۷ آیت کریمہ میں "لَعَنِتُّمْ" زبردست رحمت ربانی کا اظہار کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اولی الامر منکم کو الرسول ہوتے ہوئے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ کا مکلف کرکے جبر و استبداد کی ساری راہیں مسدود فرمائیں۔ اسی طرح مشاورت میں الرسول (قرآن) کے احکام کا لحاظ بھی واجب ہے۔

۵۶ سورۃ آل عمران، ۳:۱۵۴

۵۷ ایضاً

۵۸ سورۃ الاعراف، ۷:۱۶، ۱۷

۵۹ سورۃ الحجر، ۱۵: ۳۹

٦۰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (الاعراف: ۱۲،۱۱) یہی التباس تھا۔ آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ مٹی سے درخت اگا اُس سے آگ پیدا ہوئی ۨالَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ (۳٦/ سورۃ یس: ۸۰) اس آگ سے روشنی ہوتی ہے۔ فضیلت کس کی ہوئی پہلے نمبر دوسرے نمبر یا تیسرے نمبر پر پیدا ہونے والے۔ سب کی اصل مٹی ہے۔ ابلیس نے اسی التباس کو خوبصورتی کے ساتھ اولادِ آدم پر پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ایک آدمؑ کی اولاد۔ کس طرح کمینہ واشراف کے خانوں میں بٹی۔ کس طرح خود اہل الرائے کہہ کر سب مسلمانوں کو بادی الرائے کہنے کے ظلم کے مرتکب ہوئے معاملہ جن سے متعلق ہے مشاورت بھی انھیں۔ خود اللہ نے آدمؑ کی خلافت کے وقت موجود مخلوق سے مشاورت فرمائی۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ اگر مشاورت نہ تھی تو اَتَجْعَلُ فِيْهَا کا قیل و قال کس طرح ممکن ہوا تفصیل کے لیے اسلامی حکمت و حکومت کی طرف رجوع فرمائیں۔

سورۃ البقرۃ، ۲:۲۴۷

سورۃ الشوریٰ ۴۲:۳۸